مروجہ نظام زمینداری اور اسلام

مزارعت اور عقلی وقیاسی دلائل

(پندرھویں اور آخری قسط)

ازقلم : مولانا محمد طاسین

اس دلیل کا جواب ان حضرات کی طرف سے جو مزارعت کو ناجائز کہتے ہیں یہ دیا گیا ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ دنیوی معاملات سے متعلق اسلامی احکام میں بندوں کی حاجت وضرورت اور مصلحت ومنفعت کو پوری طرح ملحوظ و مدنظر رکھا گیا ہے لیکن صرف اس ضرورت و حاجت اور اس مصلحت ومنفعت کو ملحوظ رکھا گیا ہے جو بعض خاص انسانوں سے نہیں بلکہ عام انسانوں سے تعلق رکھتی اور دائمی و مستقل نوعیت کی ہے اور دلیل مذکور میں جس ضرورت ومصلحت کا ذکر ہے وہ ایسے افراد سے تعلق رکھتی ہے جن کی تعداد معاشرے میں ایک فی صد بھی نہیں ہوتی، جہاں تک عام انسانوں اور اجتماعی ضرورت ومصلحت کا تعلق ہے وہ مزارعت کے جواز سے نہیں بلکہ عدم جواز سے پوری ہوتی ہے۔ اسلام کی نظر میں معاشرۂ انسانی اور عامۃ الناس کی سب سے بڑی اور بنیادی ضرورت اور مصلحت، عدل وانصاف ہے جس کے قیام پر عام امن وسلامتی اور تعمیر وترقی کا دارومدار ہے۔ عدل کے بغیر کوئی معاشرہ نہ صلاح وفلاح سے ہمکنار ہو سکتا ہے اور نہ تعمیر وترقی کے مراحل طے کر سکتا ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے جملہ احکامات میں عدل کو پوری طرح ملحوظ ومدنظر رکھا اور اس پر زور دیا ہے کہ ہر حق دار کو اس کا حق ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا ملے اور کسی کی ذرہ برابر حق تلفی واقع نہ ہو، چنانچہ اس نے اسی عدل کے پیش نظر ایسے معاشی معاملات کو حلال اور جائز قرار دیا ہے جن سے ہر فریق کے حق کا ٹھیک ٹھیک تحفظ ہوتا تھا اور ایسے معاشی معاملات کو ناجائز وممنوع ٹھہرایا ہے جن میں کسی فریق کی ضرور حق تلفی ہوتی اور اسے نقصان پہنچتا تھا، چونکہ معاملہ مزارعت میں بھی ایک فریق یعنی کاشتکار کی ناروا حق تلفی ہوتی تھی لہٰذا وہ ناجائز قرار پائی۔ دراصل یہی فلسفہ ربو کے حرام وناجائز ہونے کا بھی ہے۔ جس طرح کسی بیوہ، یتیم، معذور، بوڑھے اور بیمار کی ضرورت ومصلحت کی خاطر ربو حلال وجائز نہیں ہو سکتی اسی طرح مذکورہ

افراد کے لئے مزارعت بھی حلال و جائز نہیں ہو سکتی۔ مطلب یہ کہ جو چیز پچانوے فی صد افراد کے لئے مضر ہونے کی وجہ سے حرام و ناجائز ہو وہ پانچ فیصد افراد کے لئے مفید ہونے کی وجہ سے حلال و جائز نہیں ہو سکتی ورنہ حلال و حرام کا سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔

دراصل قانون کا تعلق معاشرے کی عظیم اکثریت کے عمومی حالات سے ہوتا ہے معمولی اقلیت اور معدودے چند افراد کے خصوصی حالات سے نہیں ہوا کرتا۔ قانون وضع کرتے وقت چند مخصوص لوگوں کے محدود مفاد کو نہیں دیکھا جاتا۔ بلکہ عام لوگوں کے وسیع تر اجتماعی مفاد کو دیکھا جاتا ہے۔ جو چیز عامۃ الناس کے لئے مفید و نفع بخش ہو وہ قانوناً جائز قرار پاتی ہے۔ اگرچہ بعض افراد کے لئے مفید نہ ہو، اسی طرح جو چیز معاشرے کی بڑی اکثریت کے لئے مضر اور نقصان دہ ہو وہ قانوناً ناجائز ٹھہرتی ہے۔ اگرچہ بعض افراد کے لئے مفید و نفع بخش ہو۔ غرضیکہ کوئی قانون نہ سو فیصد افراد کے لئے مفید ہوتا ہے اور نہ سو فیصد افراد کے لئے مضر، بلکہ کچھ افراد ضرور ایسے نکلتے ہیں جن کے لئے قانون مفید یا مضر نہیں ہوا کرتا۔ گویا کوئی قانون حقیقی معنوں میں کلّی نہیں ہوتا بلکہ اکثریتی معنوں میں عمومی ہوتا ہے

رہا یہ سوال کہ اگر مزارعت ممنوع اور ناجائز ہو تو پھر مذکورہ قسم کے معذور افراد کی زمینوں کی کاشت کاری کا کیا انتظام اور ان کی معاشی پریشانی کا کیا علاج ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ کہ احادیثِ نبویہ میں نہایت واضح ہدایت ہے کہ جو شخص کسی عذر کی وجہ سے اپنی زمین کو خود کاشت نہ کر سکتا ہو وہ اپنے دوسرے بھائی کو بلا معاوضہ مفت کاشت کے لئے دے دے۔ جو کاشت کر سکتا ہو ورنہ یونہی بلا کاشت کے چھوڑ دے۔

اور پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ زمینیں فروخت کر کے ان سے حاصل شدہ رقم کو ایسے لوگ استعمال کریں، اگر ان میں کچھ لوگ بچے اور نابالغ ہوں تو ان کے سرپرست وارث خرید و فروخت کا یہ کام کر سکتے ہیں۔ بعض حالات میں یہ ذمہ داری حکومت پر عائد ہو جاتی ہے، گویا ایسے معذور افراد کو ایک مال کے بدلے جس سے وہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے دوسرا مال مل سکتا ہے جس سے وہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اب اگر کچھ عرصہ کے بعد یہ دوسرا مال ان کے پاس ختم ہو جاتا اور وہ معاشی بدحالی و پریشانی کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کے رشتہ داروں میں سے کوئی ان کی کفالت نہیں کرتا تو ان کی کفالت کی ذمہ داری پورے معاشرے اور معاشرے کی نمائندہ حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ وہ قومی بیت المال سے ان کی کفالت

کر سکتی ہے اور انہیں معاشی سہارا دے سکتی ہے، مطلب یہ کہ صحیح معنوں میں اسلامی معاشرہ اور اسلامی حکومت موجود ہو تو کسی فرد کی معاشی پریشانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور کبھی اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی کہ ان کی حاجت اور مصلحت کی خاطر کسی حرام کو حلال اور ناجائز کو جائز قرار دیا جائے۔

اور پھر دلیل مذکورہ میں ایک بڑی کمزوری یہ بھی ہے کہ وہ چند معذور لوگوں کی وجہ سے جو اپنی زمینوں کو خود کاشت نہیں کر سکتے بکثرت ایسے غیر معذور لوگوں کے لئے مزارعت کو جائز قرار دیتی ہے جو خود اپنی اراضی کو کاشت کر سکتے لیکن آرام و سہولت کی خاطر خود کاشت نہیں کرتے اور دوسروں کو مزارعت پر دیتے ہیں یا اپنا تموّل بڑھانے کی خاطر اپنی فاضل اراضی دوسروں سے مزارعت پر کاشت کراتے ہیں جن کے پاس سینکڑوں اور ہزاروں ایکڑ اراضی ہیں، بہر حال یہ دلیل ایک نہایت بودی اور کمزور دلیل ہے جو مزارعت کے جواز میں پیش کی جاتی ہے۔

مزارعت اور تعامل امّت

ایک اور دلیل جو مزارعت کے جواز میں پیش کی جاتی ہے وہ یہ کہ اس پر چودہ سو سال سے امّت کا تعامل رہا ہے۔ اگر یہ ناجائز ہوتی تو امّت مسلمہ اس پر عمل کیوں کرتی، گویا اس پر عمل ہوتے رہنا اس کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ ایک حدیث کے مطابق پوری امّت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔

یہ دلیل غور سے دیکھا جائے تو ایک بہت بڑا مغالطہ ہے کیونکہ پوری امّت مسلمہ نے نہ متفقہ طور پر مزارعت کو جائز سمجھا اور نہ کبھی اس پر عمل کیا ہے بلکہ ہر زمانے میں علماء کے درمیان اس کے جواز و عدم جواز کے متعلق بھی اختلاف رہا ہے اور مسلمانوں میں اس پر عمل کرنے اور نہ کرنے کے متعلق بھی اختلاف رہا ہے۔ خیر القرون کی عظیم اکثریت نے نہ اسے جائز سمجھا اور نہ اس پر عمل کیا جیسا کہ اس کتاب میں پیچھے خاصی تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔ صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین میں چوٹی کے علماء نے مزارعت کو ناجائز کہا اور ائمہ اربعہ میں سے تین نے اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیا اور اس سے مسلمانوں کو روکا جیسا کہ آپ گذشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں۔ اور جیسا کہ پیچھے عرض کیا گیا کہ اسلام میں تعامل کا کچھ اعتبار ہے تو اس تعامل کا جو خیر القرون اور خصوصاً مکہ و مدینہ میں رہا ہو اور جس کی ابتداء صحابہ کرام سے ہوئی ہو، بعد

کے زمانوں کے مسلمانوں کے تعامل کا کچھ اعتبار نہیں جبکہ نہ معاشرت اسلامی رہی اور نہ معیشت اسلامی، نہ سیاست اسلامی رہی اور نہ ثقافت اسلامی، تقریباً ہر چیز بدل گئی اور بے شمار ایسی چیزیں جو اسلام کے بالکل خلاف تھیں مسلمانوں کی زندگی کا جزو لاینفک اور لازمی حصہ بن گئیں اور بعض ناعاقبت اندیشوں اور کوتاہ بینوں نے دور از کار تاویلوں کے ذریعے متعدد کو اسلامی ثابت کرنے کی مذموم کوشش بھی کی۔

بہرحال یہ کہنا کہ امتِ مسلمہ کا مزارعت پر تعامل رہا ہے، خلاف واقعہ اور جھوٹ ہے۔ جن لوگوں کا مزارعت پر عمل رہا ہے ان کی تعداد پوری امتِ مسلمہ میں پانچ فیصد بھی ثابت نہیں کی جا سکتی، امتِ مسلمہ میں جن لوگوں کا پیشہ اور ذریعۂ معاش زراعت تھا وہ دو طبقوں پر مشتمل تھے۔ ایک طبقہ مالکان زمین اور زمینداروں کا تھا اور دوسرا مزارعین اور کاشتکاروں کا، مالکان زمین اور زمیندار جو کاشت کاروں کے مقابلہ میں پانچ فی صد بھی نہ تھے بعض ان میں سے مزارعت کو ناجائز سمجھتے اور اپنی زمینیں خود کاشت کرتے تھے اور بعض اسے جائز سمجھتے اور اس پر عمل پیرا تھے۔ ان میں سے جو مزارعت کو جائز سمجھتے اور اس پر عمل پیرا تھے وہ اس لئے نہیں کہ مزارعت کے جواز کے دلائل ان کے نزدیک عدم جواز کے دلائل سے زیادہ قوی اور زیادہ قابل اعتبار تھے یا ان فقہاء کو وہ علم و فہم اور تفقہ و تقویٰ میں دوسرے فقہاء سے اعلیٰ و برتر سمجھتے تھے جن کی طرف مزارعت کے جواز کا فتویٰ منسوب تھا یعنی ایسا نہیں تھا کہ وہ مثلاً قاضی ابویوسف کو امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کے مقابلہ میں علم و فہم، تفقہ و اجتہاد کے لحاظ سے بڑا سمجھتے ہوں لہٰذا انہوں نے مزارعت کے جواز کے متعلق ان کے فتویٰ کو ترجیح دے کر اختیار کر لیا ہو، بلکہ اصل بات یہ تھی کہ مزارعت کے جواز کا قول ان کے مفادات سے مطابقت رکھتا اور ان کے مفیدِ مطلب تھا لہٰذا انہوں نے اسے اختیار کر لیا اور اس پر عمل پیرا ہو گئے۔ جہاں تک ان مزارعین اور کاشت کاروں کا تعلق تھا جو مزارعت پر زمینیں کاشت کرتے تھے، ان کا مزارعت پر عمل بادل نخواستہ اور بامرِ مجبوری تھا۔ اپنی مرضی خوشی سے نہ تھا۔ وہ معاشی لحاظ سے پسماندہ اور خستہ حال تھے لہٰذا وہ اگر ایسا نہ کرتے تو بھوکوں مرتے اور معاشی پریشانیوں میں مبتلا ہوتے، علاوہ ازیں ان کی معاشرتی، سماجی اور سیاسی حیثیت زمیندار طبقہ کے مقابلہ میں غلاموں اور محکوموں کی سی تھی۔ وہ ہر اس فیصلے کو ماننے پر مجبور تھے جو زمیندار اور جاگیردار طبقہ کی طرف سے سامنے

آتا۔ چنانچہ جب زمیندار طبقہ نے اپنے مفادات کی خاطر مزارعت کو قائم رکھنے اور اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا تو پھر کاشت کار طبقہ کے لئے سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ اس فیصلہ کو مانیں اور اس کے مطابق کام وعمل کریں، مطلب یہ کہ مسلمانوں میں جن لوگوں کا اپنی آزاد مرضی اور خوشی سے مزارعت پر عمل تھا، وہ ہر دور میں مسلمان معاشروں کے اندر نہایت قلیل تعداد میں تھے۔ لہٰذا مزارعت پر ان کے تعامل کو امتِ مسلمہ کا تعامل کہنا خلاف واقعہ اور سراسر غلط ہے بلکہ گمراہ کن ہے۔

اس اجمال کی کچھ تفصیل یہ کہ تاریخ بتلاتی ہے کہ جب اسلام کا ظہور ہوا اس وقت دنیا کے تمام زرعی ممالک میں جاگیرداری نظام رائج تھا جس کی بنیاد مزارعت و بٹائی پر قائم تھی۔ اور جس کے تحت زراعت سے تعلق رکھنے والے لوگ دو مختلف طبقوں میں منقسم تھے ایک طبقہ مالکانِ زمین کا تھا اور دوسرا مزارعین کا۔ اوّل الذکر طبقہ معاشی لحاظ سے خوشحال اور معاشرتی اور سیاسی لحاظ سے معزز اور بااثر طبقہ تھا۔ جبکہ اس کے مقابلہ میں ثانی الذکر طبقہ معاشی لحاظ سے پس ماندہ، معاشرتی لحاظ سے پست و گرا ہوا اور سیاسی لحاظ سے غلام و محکوم اور یہ حالت دونوں طبقوں میں موروثی طور پر اور پشت در پشت چلی آرہی تھی، پھر جب ان میں سے بعض ممالک کے اندر دینِ اسلام پھیلا اور ان کی بڑی آبادی مشرف بہ اسلام ہوئی تو منجملہ دوسرے مسائل کے مزارعت و بٹائی کا مسئلہ بھی سامنے آیا۔ جس پر مروجہ جاگیرداری اور زمینداری نظام قائم تھا، اور یہ پتہ چلا کہ فقہاءِ اسلام کے درمیان اس مسئلے کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض اس کو جائز اور بعض ناجائز کہتے ہیں تو جاگیردار و زمیندار طبقہ کو اس سے بڑی خوشی ہوئی کہ بعض فقہاء کی رائے کے مطابق ان کا جاگیرداری نظام اپنی سابقہ حالت پر قائم و برقرار رہ سکتا اور ان کی سابقہ معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالت کو تحفظ مل سکتا ہے۔ لہٰذا انہوں نے قطع نظر اس سے کہ قرآن و حدیث کی رو سے جواز مزارعت والی رائے صحیح اور قوی ہے یا عدم جواز والی رائے، یا یہ کہ جواز اور عدم جواز کی رائے دینے والا کون ہے اور کون نہیں، مزارعت کے جواز والی رائے کو لے لیا اور حسب سابق اس پر سختی کے ساتھ کاربند ہوگئے۔ اور اپنی سابقہ حیثیت اور پوزیشن کو بحال رکھا۔

ظاہر بات ہے کہ اگر مزارعت کے عدم جواز والے فتوے پر عمل ہوتا تو معاشرے

ڈھانچہ بالکل تبدیل ہو جاتا۔ زمیندار و جاگیردار طبقہ اپنی جملہ خصوصیات و مراعات کے ساتھ ختم ہو جاتا، غیر فطری معاشرتی اور سماجی اونچ نیچ مٹ جاتی اور مساوات کی حالت پیدا ہوتی۔ اور وہ گونا گوں سماجی برائیاں بھی ناپید ہو جاتیں جو نظام جاگیرداری کا خاصہ اور لازمہ تھیں، اب زرعی زمین کا مالک وہ ہوتا جو اسے خود کاشت اور آباد کرتا اور کاشت کاروں کو آزادی کی نعمت ملتی، وہ اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کے قابل بنتے، ان کا معاشرتی درجہ بلند ہوتا اور وہ عزت کے ساتھ مدارج ترقی طے کرتے اور مسلسل آگے بڑھتے، غرضیکہ مزارعت کے عدم جواز پر عمل ہوتا تو معاشرے میں ایک نہایت خوشگوار انقلاب رونما ہوتا اور ایسے حالات وجود میں آتے جن میں سب کو امن و اطمینان کے ساتھ تعمیر و ترقی کا موقع ملتا اور آج اسلامی دنیا کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

بہرحال مزارعت کے ناجائز و ممنوع ہونے کی صورت میں جاگیرداری و زمینداری نظام کا خاتمہ لازمی تھا۔ لہٰذا زمیندار اور جاگیردار طبقے نے اس رائے کو دبانے اور اس کے مقابلہ میں جواز مزارعت کی رائے کو ابھارنے اور بروئے کار لانے میں اپنا پورا زور اور سارا اثر و رسوخ صرف کیا اور بعض علمی حلقوں کی تائید حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے، اس طرح مزارعت کے عدم جواز والی بات کتابوں اور دینی مدرسوں میں تو رہی لیکن عملی طور پر سامنے نہ آسکی۔ خصوصاً ان معاشروں میں جہاں فقہ حنفی کا چرچا تھا۔

مزارعت کو جائز قرار دینے اور رائج کرنے میں اس سیاسی نظام کا بھی بڑا کردار اور عمل دخل تھا جو خلافت راشدہ کے بعد ملوکیت اور بادشاہت کی صورت میں اسلامی ممالک کے اندر قائم ہوا، بادشاہت کے اس سیاسی اور حکومتی نظام کی بنیاد نظام جاگیرداری پر قائم تھی اور نظام جاگیرداری مزارعت و بٹائی کے بغیر نہیں چل سکتا تھا۔ حکومت کے مختلف عہدوں اور منصبوں پر فائز حضرات کو ان کی خدمات کے عوض دربار شاہی سے بڑے بڑے قطعات اراضی اور علاقے ملے ہوئے تھے جن کی آمدنی ان کی معاشی خوشحالی کا اہم ذریعہ تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ حضرات ان طویل و عریض اراضی کو خود تو کاشت کر سکتے تھے نہیں، اپنے منصبی کاموں میں مشغولیت کی وجہ سے نہ ان کے پاس فرصت تھی اور نہ وہ اس پیشے کو اپنے شایانِ شان سمجھتے تھے۔ لہٰذا ان کے لئے ان اراضی سے فائدہ اٹھانے کی صرف یہی صورت تھی کہ وہ ان کو مزارعت اور اجارہ پر دیتے اور جواز مزارعت کی رائے کو اختیار کر کے اس پر عمل پیرا

ہوتے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جاگیرداری پر مبنی شاہی نظام حکومت کے اندر مزارعت عملاً جائز قرار پائی اور اسے سہارا ملا۔ اور چونکہ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ حکومت جو ایک طاقتور سیاسی ادارہ ہے جس چیز کی حمائت اور سرپرستی کرتی ہے وہ ضرور قائم ہوتی اور قائم رہتی ہے علماءِ دین کے فتوے اس کے خلاف عملاً بے اثر ثابت ہوتے اور دب کر رہ جاتے ہیں۔ اس کی واضح مثال مسلم ممالک میں موجودہ بنکاری نظام کی ہے۔ جمہور علماء اسے ربوی نظام کہہ کر اس کے حرام و ناجائز ہونے کا فتویٰ دے چکے ہیں لیکن چونکہ اس کو ہر جگہ حکومتوں کی حمائت، سرپرستی اور پشت پناہی حاصل ہے، لہٰذا علماء کے فتووں کے علی الرغم یہ نظام قائم اور ترقی کے مراحل طے کر رہا ہے اور تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے، اگر ماضی میں ایسا ہی معاملہ، مزارعت پر مبنی نظام زمینداری کے ساتھ ہوا ہے تو اس میں حیرت اور تعجب کی کوئی بات نہیں جبکہ مزارعت کے جواز کے متعلق بھی فقہاء کے ہاں ایک کمزور سی رائے موجود تھی۔ اور بعض اس کے جواز کے قائل تھے۔

اور پھر جس طرح آج کے مسلمان سرمایہ دار اپنے مفاد کی خاطر سود پر مبنی نظام تجارت و صنعت کو اختیار کر سکتے اور اس پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں حالانکہ سود قطعی طور پر حرام ہے تو ماضی کے مسلمان جاگیردار و زمیندار اپنے ذاتی مفاد کی خاطر مزارعت پر مبنی نظام زمینداری کو کیوں اختیار نہ کر سکتے تھے جب کہ مزارعت کے عدم جواز کے ساتھ گو بے وزن سہی لیکن جواز کی بات بھی موجود تھی۔

پھر اگر آج کے مسلمانوں کا سودی کاروبار پر تعامل بعد والوں کے لئے سود کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتا تو ماضی کے مسلمان زمینداروں کا زمینداری نظام پر تعامل ہمارے لئے مزارعت کے مطلق اور قطعی جواز کی دلیل کیسے بن سکتا ہے؟

خلاصہ یہ کہ عہد صحابہؓ کے بعد مسلمانوں کا تعامل بذات خود نہ کسی بات کے جواز کی دلیل ہے اور نہ عدم جواز کی بلکہ اگر تعامل کتاب و سنّت اور قرآن و حدیث کے مطابق ہے تو جائز اور مخالف ہے تو ناجائز کیونکہ اسلام میں کسی چیز کے جائز اور ناجائز ہونے کا اصل معیار اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم ہے۔ اور بس! علماء کا اجماع بھی شرعاً وہی معتبر ہے جس کی سند کتاب و سنّت میں موجود ہو اور قرآن و حدیث کے کسی منصوص حکم کے خلاف نہ ہو' اور قیاس تو صحیح ہوتا ہی وہ ہے جس کی اصل قرآن و حدیث میں پائی جاتی ہو۔

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ایک اور سوال کا جواب دینا بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ جب مزارعت کے عدم جواز کا قول کتاب وسنّت کے دلائل کے لحاظ سے زیادہ قوی اور زیادہ قابلِ اعتماد تھا اور ائمہ مجتہدین کا اختیار کردہ تو پھر فقہاء متأخرین خصوصاً اصحاب الترجیح نے جواز کے قول کو عدم جواز کے قول پر کیوں ترجیح دی اور اسے فتویٰ کا مدار کیوں بنایا یعنی اُسے مفتیٰ بہ اور علیہ الفتویٰ کیوں ٹھہرایا؟

اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ایسا اپنے وقت کے مخصوص حالات کے پیشِ نظر کیا، مطلب یہ کہ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ اس وقت معاشرے کے جو ذہنی اور خارجی حالات ہیں ان میں مزارعت کے جواز والا قول قابلِ عمل اور عدم جواز والا قول تقریباً ناقابلِ عمل ہے، لاکھ اسے ناجائز کہا جائے جن لوگوں کا اس سے مفاد وابستہ ہے وہ اسے کسی طرح چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تو انہوں نے قابلِ عمل ہونے کی وجہ سے جواز والے قول کو عدم جواز والے قول پر ترجیح دے کر اس کے مطابق فتویٰ دے دیا۔ لیکن چونکہ اس فتوے کے ساتھ اس قسم کی کوئی وضاحت نہ تھی کہ یہ فتویٰ مخصوص حالات کے پیشِ نظر ہے جو اس وقت موجود تھے قرآن وحدیث کے اصل منشا کے مطابق نہیں لہٰذا بعد والے غلطی سے یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ فتویٰ قرآن وحدیث کے عین مطابق اور قطعی وآخری طور پر ایک صحیح اسلامی فتویٰ ہے رفتہ رفتہ مزارعت کے عدم جواز والی بات ہی ذہنوں سے نکل گئی اور یہ کھٹکا ہی ختم ہوگیا کہ وہ ناجائز بھی ہوسکتی ہے۔ اب اگر اس کا کہیں ذکر رہا تو صرف حدیث وفقہ کی پرانی کتابوں اور علمی درسگاہوں میں رہا اور وہ بھی زیادہ تر تاریخ کے پیرائے میں۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جب مزارعت کے جواز کا فتویٰ دیا گیا اس وقت علماء کے سامنے اسلام کے معاشی نظام کا کوئی مسئلہ نہ تھا بلکہ ان کے وہم وخیال میں بھی یہ نہ تھا کہ آگے چل کر ایک ایسا وقت بھی آئے گا کہ دنیائے انسانیت میں معاشی نظام کی اہمیت بنیادی ہوگی اور مسلمانوں کو یہ چیلنج درپیش ہوگا کہ وہ اسلام کی معاشی تعلیمات کو سائنٹیفک علمی طریقہ سے ایک مرتب نظام کی شکل میں پیش کریں جس میں اصول، مقاصد اور غائت کے مابین قابلِ فہم عقلی اور منطقی ربط ونظم اور ہم آہنگی ہو اور پھر دلائل سے یہ بتلائیں کہ اسلام کا معاشی نظام، اشتراکی اور سرمایہ دارانہ نظام وغیرہ معاشی نظاموں سے کیسے بہتر اور زیادہ مفید ہے اور یہ کہ اگر مسلمان علماء اس چیلنج کا اطمینان بخش جواب نہیں دیں گے تو اس کا برا نتیجہ نکلے گا کہ بہت سے نام نہاد مسلمان غیر اسلامی ازموں کا شکار ہوجائیں

گے محض اس وجہ سے کہ ان کا معاشی نظام اچھا اور بہتر ہے ۔ جیسا کہ آج ہم دیکھ رہے ہیں ۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہمارے ان علماء و فقہاء کے سامنے مذکورہ باتیں ہوتیں تو وہ کبھی بھی مزارعت کے متعلق علی الاطلاق جواز کا فتوی نہ دیتے اور پوری احتیاط کے ساتھ ضرور یہ سوچتے کہ اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی و بہتری مزارعت کے جواز میں ہے یا عدم جواز میں اور پھر یقیناً اس نتیجے تک پہنچتے کہ عدم جواز کی رائے ہی ہر لحاظ سے بہتر اور صحیح رائے ہے اور اسی کے ذریعے ایک معتدل و متوازن معاشی ماحول کے قیام میں مدد مل سکتی ہے جس کی شدت کے ساتھ ضرورت محسوس کی جارہی ہے ۔

بہرحال اب یہ ذمہ داری دورِ حاضر کے علماء کرام کی ہے کہ وہ اس قسم کے اختلافی معاشی مسائل کا ازسرِ نو تحقیقی جائزہ لیں اور پوری کوشش و کاوش کے ساتھ اجتہادی طریقہ سے یہ معلوم و متعین کریں کہ ان کے متعلق مختلف آراء میں سے کونسی رائے حقیقت میں صحیح اسلامی رائے ہے تاکہ اسلام کے حقیقی معاشی نظام کا تعین ہوسکے جس کی آج اشد ضرورت ہے ۔ انمل بے جوڑ، منتشر اور مختلف آراء کے ہوتے ہوئے اسلامی معاشی نظام کا کبھی تعین نہیں ہوسکتا ۔

دراصل اسی احساس ضرورت کے تحت زمینداری کے موضوع پر یہ مقالہ لکھا گیا ، مقصد یہ تھا کہ مزارعت و بٹائی کے جواز و عدم جواز سے متعلق صدیوں سے جو اختلاف چلا آرہا ہے اور جس کے ہوتے ہوئے اسلام کے معاشی نظام کا تعین مشکل بلکہ ناممکن و محال ہے ، وہ اختلاف دور کیا اور یہ پتہ چلایا جائے کہ ان دو مختلف اور متضاد اقوال میں سے کونسا قول حقیقت میں اسلامی قول ہے اور کونسا غلطی سے اسلامی سمجھ لیا گیا ہے ۔ حالانکہ وہ اسلامی نہیں ، اپنے علم و فہم اور وسائل علم کے مطابق میں نے مقصد مذکور کے لئے انتہائی اور امکانی کوشش کی ہے اور وہ تمام دلائل تفصیل اور شرح و بسط نیز جرح و نقد کے ساتھ یکجا بیان کر دیئے ہیں جو مزارعت کے جواز اور عدم جواز سے متعلق مختلف علماء کرام نے پیش کئے اور متفرق کتابوں میں بکھرے ہوئے تھے ۔ اس میں طالب علمانہ انداز سے جو محنت و کاوش کی گئی ہے اس کا اندازہ کتابوں کی اس فہرست سے بخوبی ہوسکتا ہے جن سے لکھنے کے دوران براہ راست استفادہ کیا گیا ہے ۔ میری یہ کوشش و کاوش کامیاب ہے یا ناکام ، یا کس حد تک کامیاب اور کس حد تک ناکام ہے ، اس کا فیصلہ تو حقیقت پسند اور منصف مزاج اہل علم ہی کر سکتے ہیں البتہ میں اظہارِ حقیقت کے طور پر یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اس کے لکھنے کا محرک سوائے اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی

کے دوسرا کوئی جذبہ نہ تھا۔ بہرحال یہ ایک غیر معصوم انسان کی انفرادی کوشش ہے لہٰذا اس میں غلطیوں کا پایا جانا کوئی تعجب کی بات نہیں، جو صاحب مجھے ان پر متنبہ کریں گے، میں ان کا ممنون و شکر گزار ہوں گا۔

—— بقیہ ' معاشرتی بہبود کا تعارف ' ——

تصورِ معاشرتی بہبود ایک نتیجہ خیز بنیادی فلسفے، نظریئے یا تصور سے خالی ہے۔ اس کے تصور میں ایثار یا سرے سے ہے ہی نہیں یا اس کا فقدان ہے۔ فلاحِ انسانیت کی اس مفید تحریک کو بارآور کرنے کے لئے اسے اس فلسفۂ زندگی اور تصورِ حیات سے وابستہ کرنے کی ضرورت ہے جو انسان کی سوچ اور دل و دماغ کی اصلاح کرتا اور جو اسکی اندرونی کیفیت میں عظیم انقلاب برپا کر دیتا ہے۔ اسی جاندار تصورِ زندگی کا تعمیری اور اصلاحی پروگرام کا تقاضا اسلام ہم سے کرتا ہے۔

—— بقیہ ' قرآنی ادب و ثقافت کا ایک پہلو ' ——

یُّفْتَنُوْنَ (ماخوذ از التوبہ: ۱۲۶۔) صفحہ: ۲۲۷۔

۳۔۔۔ علمائے امت کو ان کے فرائض سے آگاہ کرتے ہوئے صفحہ ۲۳۷۔۲۳۶ پر جو کچھ لکھا ہے وہ بھی ان کی قرآنی آیات کے اقتباسات پر قدرت کی ایک عمدہ مثال ہے۔

تاہم یہ سب کچھ عربی کے علم، مہارت اور ذوق کی باتیں ہیں۔ اب تو ہم مسلمانوں کا رجحان دینی سے زیادہ مادی اور ذوق عربی سے زیادہ انگریزی ہو گیا ہے۔ بقول اکبر الٰہ آبادی،

مسلمانوں کا وہ آئین طبع مستقل بدلا
چھٹی عربی، گیا قرآں زباں بدلی تو دل بدلا۔